سید علی الہجویریؒ، صاحبِ فکر و حکمت

کشف المحجوب سے ایک مطالعہ

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم

اللہ کی زمین پر جن و بشر کی ہدایت کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ نبیوں کے اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ہر دور میں اللہ کے دوستوں اور ولیوں کی جماعتیں سرگرمِ عمل رہتی ہیں۔ اللہ کے انھی دوستوں میں سے ایک سید علی بن عثمان الہجویریؒ ہیں، جو غزنہ کی سرزمین میں آباد چھوٹی سی بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ سے روحانی فیض حاصل کیا، اور علم و حکمت کے موتی ابوالعباس اشقاقی، ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، ابوالقاسم بن علی الگرگانی، محمد بن علی بسطامی اور ان جیسے دیگر علما و فقہا سے اکٹھے کیے۔ مختلف ملکوں اور بستیوں میں کسبِ علم کے لیے سفر کیا، بالآخر اپنے مرشد ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی کے کہنے پر لاہور کو مرکز تعلیم و ارشاد بنالیا۔ اس طرح سرزمین لاہور خوش نصیب ٹھیری۔

شیخ علی بن عثمان الہجویری رحمہ اللہ علیہ علم و دانائی، تقویٰ اور کشادہ دلی میں اپنی مثال آپ تھے۔ علم و حکمت میں حق کی معرفت، تقویٰ میں اعتدال پسندی اور سخاوت میں دریا دلی آپ کی پہچان بنی۔ آپ کی سیرت اور خیالات کے مطالعے کے ساتھ ساتھ صدیوں سے لاکھوں مساکین اور فقرا کا آپ کے مرکزِ فیض سے روحانی ترفع حاصل کرنا اس بات کی گواہی دے رہا ہے۔

سید علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ توحید خالص، ختمِ رسالت اور اتباعِ قرآن و سنت کے علَم بردار

تھے۔ آپ نورِ حق کی طرف بلانے، نورِ رسالت کی شمع کے گرد جمع کرنے اور نورِ قرآن سے خلقِ خدا کو روشنی دکھانے والے تھے۔ جب ہر طرف نور اور روشنی کی بات ہو تو بے یقینی کا سایہ اور شکوک وشبہات کا گرد وغبار کیسے باقی رہ سکتا ہے، اس لیے ان کی ہر بات بالکل واضح اور کھلی ہے۔

اللہ کے ولی اور دوست صرف اللہ کی طرف بلاتے ہیں، اور پورے کے پورے انسان کو بلاتے ہیں، رسول کا مطیع بناتے ہیں اور ظاہر و باطن، جسم و روح، خیال اور عمل ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بات کرتے ہیں۔ شریعت پر عمل کرنا بھی لازم قرار دیتے ہیں، اور روحانیت کے مدارج طے کرنے میں بھی رہنمائی فرماتے ہیں۔

● **معرفت اور شریعت**: شریعت کے حوالے سے سید علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''لوگ اب ترکِ شریعت کو طریقت کہتے ہیں'' (کشف المحجوب، فصل ہفتم، صورت سوال)، اور شریعت کی وضاحت میں بغیر کسی لاگ لپٹ کے بیان کرتے ہیں: ''شریعت کا رکن اوّل کتاب اللہ ہے، چنانچہ فرمایا گیا: مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ (اٰلِ عمرٰن ۳:۷)۔ ''اس کتاب میں محکم آیات ہیں، جن کا مقصود واضح ہے، وہی اصل کتاب ہے''۔ دوسرا رکن سنّت رسول ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ''رسول جو آپ کو عطا کریں وہ لے لو، اور جس بات سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ'' (الحشر ۵۹:۷)۔ تیسرا رکن اجماع اُمّت ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یجتمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی)''۔ (کشف المحجوب، سید علی بن عثمان الہجویری رحمہ اللہ، ترجمہ عبدالحکیم خان نشتر جالندھری و علّامہ ظہیر الدین بدایوانی)

غور فرمائیے کہ شریعت کے مصادر کا کس خوب صورتی سے ذکر کر دیا۔ کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہنے دیا۔ قرآن، سنت اور اجماع اُمت، جب بھی ان بنیادوں پر اسلام کی عمارت استوار کی گئی ہے، ایک عالی شان، دیدہ زیب اور مستحکم عمارت وجود میں آئی ہے۔

معرفت اور شریعت کا اصل رشتہ بتاتے ہوئے اصحاب عرفان اور اصحاب شریعت کے فرق کو ختم کر دیا، بلکہ اپنے زمانے کے ضروری علم کو حاصل کرنے کی بھی ترغیب دی۔ مرشد ہجویری فرماتے ہیں: ''بندے کو خدا کے امور اور اس کی معرفت کا علم ہونا چاہیے۔ وقت کی مصلحت کا علم بھی

بندے پر فرض ہے، جو علم ضرورت کے وقت اس کے کام آتا ہے۔ اس کے ظاہر و باطن کی دو قسمیں ہیں: علم اصول اور علم فروع۔ ''علم اصول کا ظاہر قولی شہادت ہے اور باطن، معرفت کی تحقیق۔ علم فروع کا ظاہر دینی معاملات کی تعمیل اور باطن، نیت کی درستی'' (کشف المحجوب، معرفت و شریعت)۔ پھر فرماتے ہیں: ''شریعت کا ظاہر، باطن کے بغیر نقصان ہے اور باطن، ظاہر کے بغیر ہوس ہے''۔ گویا باطن کا ایمان اور اخلاصِ نیت سے تعلق ہے اور ظاہر کا عمل اور اطاعت سے، دونوں سے مل کر دین بنتا ہے۔

● **علم اور عمل لازم و ملزوم:** کچھ لوگوں نے نادانی یا دانش مندی کے زعم میں علم اور عمل کو ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑا کر دیا ہے۔ کوئی علم و معرفت کے جھنڈے گاڑنے کی فکر میں عمل کی دنیا سے بے گانہ ہونے لگا اور کسی نے 'علموں بس کریں او یار' کے جملے کو اپنے لیے ڈھال بنالیا۔ سید علی الہجویریؒ فرماتے ہیں: ''میں نے عوام کی ایک جماعت دیکھی ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتی ہے اور دوسری جماعت عمل کو علم پر، لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، کیونکہ عمل کو علم کے بغیر عمل نہیں کہہ سکتے، بلکہ عمل اُس وقت عمل بنتا ہے جب علم اس کے ساتھ ہو، تاکہ بندہ اس کے ذریعے سے ثواب کا حق دار ہو سکے۔ مثلاً نماز کو لیجیے کہ جب تک پہلے انسان کو طہارت کے ارکان، پاک پانی کی شناخت، قبلے کی پہچان، نیت کی کیفیت اور نماز کے ارکان سے آگاہی نہ ہو، نماز ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے جب عمل اصل میں علم ہی سے حاصل ہو سکتا ہے تو کس طرح جاہل اس کو علم سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ جو لوگ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں، وہ بھی غلطی پر ہیں، کیونکہ علم کو عمل کے بغیر علم نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀ (البقرہ ۲:۱۰۱) ''اہلِ کتاب میں سے ایک فریق نے خدا کی کتاب پسِ پشت ڈال دی، گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں''۔ اس آیت میں خدا نے بے عمل عالم کا نام علما سے خارج کر دیا ہے، کیونکہ علم پڑھنا اور اسے یاد کرنا، یہ سب کچھ عمل ہی میں شامل ہے'' (کشف المحجوب، علم و عمل)۔ اس طرح شیخ نے علم اور عمل کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کر کے حق بات کو واضح کر دیا۔

اپنی بات کو مزید تقویت دینے کے لیے سید علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ، جناب حاتم اصمؒ

کی حکمت بھری بات بتاتے ہیں کہ حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں: میں نے چار علم اختیار کر لیے اور دنیا کے تمام علموں سے نجات پائی۔ لوگوں نے پوچھا: وہ چار علم کون سے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا: ''پہلا یہ کہ میں نے جان لیا، میرا رزق میری قسمت میں لکھا جاچکا ہے جو زیادہ یا کم نہیں ہوسکتا، اس لیے میں زیادہ کی طلب سے بے غم ہوگیا ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں نے جان لیا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا حق ہے، جو میرے سوا کوئی ادا نہیں کرسکتا، لہٰذا میں اس کے ادا کرنے میں مصروف ہوگیا ہوں۔ تیسرا یہ کہ میں نے جان لیا کہ کوئی میری تلاش میں ہے، یعنی موت اور میں اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتا، لہٰذا میں نے اس کا ساز و سامان کرلیا ہے (یعنی نیک کام کیے جارہا ہوں)۔ چوتھا یہ کہ میں نے جان لیا، میرا ایک آقا ہے، جو میرے حالات سے آگاہ ہے، لہٰذا مجھے اس سے شرم آئی اور میں نے ناروا کاموں سے ہاتھ اٹھالیا۔ جب بندہ جانتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے تو چاہیے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس کے باعث قیامت میں خدا سے شرمندہ ہونا پڑے'' (کشف المحجوب، علم و عمل، فصل اوّل)۔ گویا علم میں ایمان اور یقین ہے، اور عمل میں اطاعت و فرماں برداری ہے۔ علم محبوب کی پہچان ہے اور عمل محبوب کی بات ماننا، اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا ہے۔

گویا اس معلم شریعت اور شیخ طریقت نے اصل حق کی طرف لوگوں کو بلایا ہے، اور شرک و بدعات کی سب قباحتوں سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے ایمان اور اطاعت میں جس قدر توجہ اور محنت ہوگی مقام عبدیت میں اتنا ہی کمال حاصل ہوگا۔ پھر عبدیت کے مقام پر فائز ہونے والا شخص روحانی کیفیت میں كَأَنَّكَ تَرَاهُ (گویا تو اسے دیکھ رہا ہے) کے درجے پر اور ظاہری حالت میں: فَاَكُوْنَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَسَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ (میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) بن جاتا ہے۔ (کشف المحجوب، تصوّف)

شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں: ایسے شخص کے لیے شرع کے وہ احکام جو دوسروں کے لیے مشکل ہوتے ہیں، آسان ہوجاتے ہیں۔ آپؒ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے: ایک بار حضرت حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضوؐر نے استفسار فرمایا: ''اے حارثہؓ! تو نے صبح کس حال میں کی؟ کہا: میں نے ایسے حال پر صبح کی کہ خدا پر

سچّا ایمان رکھنے والا ہوں۔ فرمایا: اے حارثؓ جو کچھ تو کہہ رہا ہے، اس پر غور کر، کیونکہ ہر شے کی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ بتا تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کی کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے منقطع کرلیا اور ہٹا لیا ہے، لہٰذا میرے لیے اِس کا پتھر، سونا، چاندی اور مٹی کا ڈھیلا سب یکساں ہیں۔ اب میں رات کو جاگتا ہوں اور دن کو پیاسا رہتا ہوں، حتیٰ کہ میرا یہ حال ہوگیا، گویا میں اپنے پروردگار کا عرش علانیہ دیکھ رہا ہوں، اور جنت والوں کو دیکھتا ہوں کہ وہاں باہم مل رہے ہیں، جہنمیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ باہم کشتی لڑ رہے (تکرار کر رہے) ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کو شرمندہ کر رہے ہیں (الحدیث)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اپنے اللہ کو بخوبی پہچان لیا۔ اب اس عرفان کو اپنے آپ پر لازم کرلے‘‘۔ (کشف المحجوب، حقیقت تصوّف)

کتنے عظیم تھے وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کو اس طرح پہچانا کہ دنیا کی سب پہچانیں مدہم پڑگئیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ معرفتِ حقیقی تو اسی بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ کیا ہماری دنیا بلکہ ساری کائناتوں کی کوئی چیز بھی اللہ کی قدرت، ملکیت اور حکومت سے باہر ہے، اور کیا کائنات کا ایک معمولی سا ذرّہ بھی کسی اور کی تخلیق ہے؟ جب ساری تخلیق اسی اللہ کی ہے تو خالق و مالک جسے اچھا کہہ دے وہی اچھا ہے، اس کے بتانے کے مطابق وہ مشتِ غبار جو کسی مجاہد کے گھوڑے کے پاؤں سے اٹھتا ہے، اور وہ مٹی زر و جواہر سے زیادہ قیمتی ہوجاتی ہے جس پر اللہ کے کسی بندے کی پیشانی سجدے کی حالت میں پڑتی ہے، اور وہی مالک چاہے تو سونے چاندی اور زر و جواہر کے انبار کو زہریلے ناگ یا جھلسا دینے والی آگ میں بدل دے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

● **صوفی کی پہچان:** اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد سید علی ہجویری، اللہ کے سچے دوست، ولی، یا اہلِ طریقت کی اصطلاح میں صوفی کی پہچان کے لیے سب سے پہلی مثالی شخصیت کے طور پر جس ہستی کا ذکر کرتے ہیں وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے علاوہ دل میں کسی اور محبت کو نہ پالا، جو اپنی جان، مال اور اولاد قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سید ہجویری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ’’اگر تمھارے دل میں حقیقی صوفی بننے کی آرزو ہے تو لاریب باطن کی صفائی حضرت صدیق اکبرؓ کی صفت ہے، کیونکہ صفا سے باطن کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اس کی اصل، غیروں سے دل کا کٹ جانا ہے، اور فرع غدّار

دنیا سے دل کا خالی ہو جانا ہے۔ یہ دونوں باتیں حضرت صدیق اکبر ابوبکر عبداللہ ابی قحافہؓ کی صفتیں ہیں، کیونکہ وہ طریقت والوں کے امام تھے۔

غیر اللہ سے آپؓ کے دِل کا کٹ جانا اس طرح تھا کہ جب تمام صحابہؓ، پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ کبریا میں تشریف لے جانے (وصال پا جانے) سے دِل شکستہ ہو رہے تھے، یہاں تک کہ جب حضرت عمرؓ تیغ بکف فرما رہے تھے کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں، میں اس کا سر قلم کر دوں گا، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے باہر تشریف لاکر بلند آواز میں فرمایا: خبردار لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، پس بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وصال ہو گیا، اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط (اٰل عمران ۳:۱۴۴) ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک رسول ہی ہیں، حضورؐ سے قبل بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، پس کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے؟'' غرض جو فانی شے سے دل لگاتا ہے تو وہ شے فنا ہو جاتی ہے اور اس کے فنا ہو جانے پر اسے رنج ہوتا ہے، جو شخص اپنی جان حضرت باقی (اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دیتا ہے تو جب اُس کا نفس تباہ ہو جاتا ہے (جسم سے اُس کا تعلق کٹ جاتا ہے) تو وہ بقائے دوام سے (تعلق جسم کے بغیر) باقی رہتا ہے۔ پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کو ظاہری آنکھ سے دیکھا، جب وہ جسم پاک جہان سے اُٹھ گیا تو آنحضرتؐ کی تعظیم بھی اس کے دل سے اُٹھ گئی۔ جس نے آپؐ کی روحِ پاک کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا، اس کے لیے آپؐ کا جہان سے چلا جانا، یا یہاں رہنا دونوں برابر ہیں، کیونکہ اس نے بقا کی حالت میں حضورؐ کی بقا کو حق تعالیٰ کے واسطے سے اور فنا کی حالت میں حضورؐ کی فنا کو اللہ ہی کی طرف سے سمجھا۔ اس نے تبدیل کیے ہوئے (جسم پاک) سے رُخ پھیر کر تبدیل کرنے والے کی طرف توجہ کی''۔ (عن ابی ہریرہ، سنن ابی داؤد، حدیث ۲۰۴۱، مسند احمد حدیث ۵۸۲۷، مجموعہ الفتاویٰ ابن تیمیہ ج۱۱، ص۱۹۵)

جناب سید علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ نے ایک ہی فقرے میں کتنی باتوں کو نکھار کر رکھ دیا ہے:

''اہلِ ایمان صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، کسی بندے کی عبادت نہیں کرتے''۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپؐ کی اطاعت کرتے ہیں، عبادت نہیں، اور محبت واطاعت کے لیے آپؐ کا نظر میں ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ اہلِ محبت کے لیے زمان ومکان کی قید، اور حاضر وناظر کی شرط کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اللہ کا ولی تبدیل کیے ہوئے جسم اطہر سے رخ ہٹا کر تبدیل کرنے والے کی طرف توجہ کرتا ہے اور کسی ہستی کے ظاہر ہونے یا غائب ہونے کا معاملہ اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ رسولؐ سے محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے، اور اللہ سے محبت کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی جائے۔

سید علی ہجویری رحمہ اللہ علیہ نے سیدنا ابوبکر کے بعد خلفاے راشدین، اہلِ بیت رسولؐ، اصحابِ صفہ، تابعین اور پھر علما، فقہا، مجاہدین اور فقرا کی زندگیوں کو اہلِ تصوف کے لیے مشعلِ راہ بنایا ہے، جن میں جناب عمر بن خطابؓ، عثمان غنیؓ، علی بن ابی طالبؓ، حسنؓ و حسینؓ سے لے کر سعید بن المسیّبؒ، ابوحنیفہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، معروف کرخیؒ، امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ تک، اور جناب جنید بغدادیؒ سے لے کر شام، عراق، فارس، غزنی اور ماوراء النہر کے صوفیا کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب نفوس قدسیہ کی زندگیوں کا مخلصانہ اور غیر متعصّبانہ جائزہ لیا جائے تو شریعت، طریقت اور تصوّف کی ساری الجھنیں دُور ہوجاتی ہیں۔

تصوف کے حوالے سے سید ہجویریؒ نے تین طرح کے افراد کا ذکر کیا ہے۔ ایک کو وہ صوفی کہتے ہیں، دوسرے کو متصوّف، اور تیسرے کو مستصوف کا نام دیا ہے اور پھر تینوں کا تعارف اس طرح کروایا:

- صوفی وہ ہے جو اپنی ذات سے فانی اور ذاتِ حق کے ساتھ باقی ہو اور طبعی تقاضوں سے آزاد ہو کر حقیقتِ باطن سے پیوستہ ہو۔
- متصوف وہ ہے جو ریاضت ومجاہدے سے اس مقام (صوفی) کی جستجو میں غرق ہو اور ہر امر میں صوفیاے عظام کا طریقِ زیست ملحوظِ خاطر رکھتا ہو۔
- مستصوف وہ ہے جو مال ومتاع اور جاہ وامارت کی نگہداشت کے لیے اپنے آپ کو صوفیا کی طرح بنائے رکھنے میں مشغول ہو اور ان دونوں مقاموں سے مطلق آگاہ نہ ہو۔ (کشف المحجوب، تصوّف کی حقیقت، باب سوئم، فصل اوّل)

گویا وہ شخص جو دولت، عزّت و شہرت اور زیادہ سے زیادہ مادی سہولتیں جمع کرنے میں لگا ہوا ہے، شریعت کے احکام کی پابندی نہ کرتا ہو، اور اپنی ظاہری بود و باش اور شکل و صورت سے صوفی بننے کا فریب کر رہا ہو، وہ اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا ہے۔

● **فقر اور غنا:** جہاں بھی اولیا اور اتقیا کا ذکر ملتا ہے وہیں فقر، دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی، اور اکثر اوقات تنگ دستی والی زندگی کی صورت دکھائی دیتی ہے، جس کی وجہ سے ایک اور اختلاف نے اہلِ ایمان کو الجھن میں مبتلا کر دیا۔ بعض نے کہا دنیا میں موجود سب نعمتیں اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنے حالات اور زمانے کے حساب سے زیادہ سے زیادہ سہولتیں اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسانی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا، اور دین اسلام کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے ماننے والوں کو پس ماندہ، دنیا سے بے زار، اور تنگ دست رکھے۔ بعض لوگ دنیا کی نعمتوں سے بے رغبتی کو روحانیت اور تقویٰ کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔

شیخ علی الہجویریؒ نے اس الجھن کو بڑے اچھے طریقے سے حل کیا اور اس حوالے سے اپنے استاد ابوالقاسم القشیریؒ کی بات سے راستہ سمجھایا ہے: ''میں نے استاد ابوالقاسم قشیریؒ سے سُنا ہے، وہ فرماتے تھے: لوگوں نے فقر و غنا کے باب میں خیالات کا اظہار کیا ہے، اور ہر ایک نے اپنے لیے کوئی نہ کوئی بات اختیار کرلی ہے۔ میں وہ بات اختیار کرتا ہوں، جو حق تعالیٰ میرے لیے پسند فرمائے اور اس میں میری نگہداشت رکھے۔ اگر وہ مجھے مال دار کر دے تو غفلت نہ کروں، اور اگر فقیر بنا دے تو حرص نہ کروں۔ غنا نعمت ہے اور اس میں غفلت، آفت، فقر نعمت ہے اور اس میں غرض آفت۔ یہ تمام باتیں حقیقت میں اچھی ہیں، اگرچہ معاملے اور روش میں اختلاف ہے۔ ذاتِ حق تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں دل سے نکال دینے کا نام ہی فقر ہے اور غیراللہ میں دل کے مشغول نہ ہونے کا نام غنا۔ جب ماسوا سے فراغت مل گئی تو فقر غنا سے افضل ہوگیا اور غنا فقر سے فروتر۔ غنا مال و متاع کی زیادتی اور فقر مال و متاع کی کمی کا نام نہیں، کیونکہ دُنیا کا سارا مال و اسباب خُدا کی ملکیت ہے۔ جب طالب حق نے ملکیت ترک کر دی اور سمجھ لیا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے تو شرکت درمیان سے جاتی رہی اور طالب دونوں ناموں سے فارغ ہوگیا''۔ (کشف المحجوب، فقر و غنا)

درحقیقت فقر و غنا کا تعلق مال و دولت کی کثرت اور قلت سے نہیں ہے، بلکہ مال و جاہ کی

چاہت اور بے رغبتی سے ہے۔ فقر کی منزل پہ وہی پہنچ سکتا ہے جس کے دل میں صرف اللہ و رسولؐ کی محبت رچ بس رہی ہے۔ ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مال کماتا ہے اور اللہ کی چاہت میں مال خرچ کر دیتا ہے، اور قربت الٰہی میں مال و دولت کما کر خرچ کرنا بے دست و پا بیٹھے رہنے سے زیادہ افضل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الکاسب حبیب اللہ (محنت سے کمانے والا اللہ کا حبیب ہے) کہہ کر اللہ کے دوستوں کی نشان دہی کر دی ہے، لیکن مال کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ و رسولؐ کو فراموش کرنا غفلت ہے، اور غافل لوگ جانوروں سے بھی کم تر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف ۷:۱۷۹)

● **توحید کامل پر یقین**: سیدعلی الہجویری رحمہ اللہ علیہ انتہائی متوازن شخصیت کے حامل تھے۔ دین اسلام کی وضاحت میں اعتدال کا راستہ اپنایا، لیکن اعتدال میں اصول دین پر ہرگز مداہنت سے کام نہیں لیا۔ روحانیت اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے سب سے پہلی بنیاد ہی توحید کو رکھا، اور توحید بھی توحید خالص، ذات، صفات اور اختیارات کے شرک سے پاک۔ توحید کے حوالے سے ایک فقرے میں سارے نظری، فکری، کلامی الجھاؤ کا مسکت اور مطمئن کر دینے والا جواب دے دیا۔ فرماتے ہیں: ● ''جب بندہ خدا کو پہچان لے تو اس کی وحدانیت کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا ایک ہے، جو وصل و فصل قبول نہیں کرتا، یعنی نہ کوئی شے اس سے جڑ سکتی ہے اور نہ جدا ہو سکتی ہے۔ دوئی اس میں جائز نہیں۔ اس کی یکتائی عددی نہیں کہ دوسرے عدد کے اثبات سے دو کی صورت اختیار کر لے، اور وہ ان دونوں میں سے ایک ہو، جس سے اس کی وحدت عددی اور اعداد کا ثابت کرنا بے نہایت ہو جائے۔ ● وہ جوہر بھی نہیں کہ اس کا وجود اپنے جیسے جواہر کے بغیر درست نہ ہو۔ ● وہ طبعی بھی نہیں کہ ہلنے اور ٹھیرنے کا مقامِ آغاز ہو۔ ● وہ روح بھی نہیں کہ عدم کا حاجت مند ہو۔ ● وہ جسم بھی نہیں کہ اجزا سے ترکیب پائے۔ ● وہ کسی شے میں حلول نہیں کرتا کہ اشیا کی قسم میں سے ہو۔ ● کسی شے سے اس کا جوڑ نہیں کہ وہ شے کا ایک حصہ ہو۔ ● وہ تمام غلطیوں سے مبرّا، اور سب خرابیوں سے پاک اور کُل عیبوں سے بالاتر ہے۔ ● اس کا کوئی مشابہ نہیں کہ اپنے مشابہ کے ساتھ دو ہو۔ ● اس کا کوئی فرزند نہیں کہ اس کی نسل اس کی متقاضی ہو۔ ● اس کی ذات و صفات پر تبدیلی جائز نہیں کہ اس کا وجود اس تبدیلی کے باعث بدل جائے، یا

بدلے ہوئے حکم میں ہو جائے"۔(کشف المحجوب، توحید کا ثبوت)

توحید کامل پر یقین رکھنے والا مومن بن جاتا ہے۔ شیخ علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ ایمان کے بعد کے مراحل کا تذکرہ انتہائی واضح انداز میں کرتے ہیں جس پر اگر غور کر لیا جائے تو دیگر بہت سی اُلجھنوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں: "ایمان و معرفت کی انتہا محبت ہے، اور محبت کی نشانی عبادت ہے۔ کیونکہ جب دل، محبت اور مشاہدے کا مقام ہے، آنکھ دیدار کا، اور جان عبرت کا، تو بدن کو لازم ہے کہ خدا کا حکم نہ چھوڑے، جو شخص خدا کا حکم چھوڑ دے اسے معرفت الٰہی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادت و عمل کی یہ زحمت اسی وقت تک ہے جب تک تو نے خدا کو نہیں پہچانا، جب تو نے اسے پہچان لیا تو عبادت بدن سے غائب ہوگئی، حالانکہ یہ بھاری غلطی ہے"۔(کشف المحجوب، ایمان کی حقیقت)

محبت اور عبادت کے اس حسین امتزاج سے عبارت دینِ حنیف کی مکمل تصویر پیش کرنے کے لیے انھوں نے مختلف عنوانات کے تحت تشریح و توضیح کی ہے۔ آدابِ زندگی، حسنِ معاشرت، اور روحانیت کے راستے پر چلنے کے لیے ضروری مجاہدوں اور ریاضتوں کی وضاحت انتہائی انوکھے اور نادر انداز میں فرمائی۔ آپ کی تشریحات عام فقہی موشگافیوں اور الجھا دینے والی کلامی بحثوں سے پاک ہیں۔ طہارت کے ضمن میں وضو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جب ہاتھ دھوئے تو ضروری ہے کہ دنیا کی محبت سے ہاتھ دھو ڈالے۔ جب منہ میں پانی ڈالے تو ضروری ہے کہ اپنا منہ غیر کے ذکر سے خالی کر دے۔ جب چہرہ دھوئے تو واجب ہے کہ نفس کی پسندیدہ چیزوں سے روگرداں ہو جائے۔ جب سر کا مسح کرے تو لازم ہے کہ اپنے کام اللہ کو سونپ دے" (کشف المحجوب، طہارت)۔ اسی طرح پوری تفصیل سے طہارت کی اصل غرض و غایت کا ذکر فرماتے ہیں۔

● **قیامِ شریعت**: جناب شیخ علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ شریعت مطہرہ کو زمین پر غالب و نافذ کرنے کے حوالے سے ایک اچھوتی اور نادر بات تحریر کرتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے تجلیات رب کے انتہائی قریب ہوگئے، اور انھیں مشاہدے کا عظیم الشان مقام حاصل ہوگیا، جو کسی بھی بندے کے لیے اعلیٰ ترین مقام ہے، تو آپؐ نے انتہائے شوق سے بے اختیار ہو کر عرض کی مجھے پھر دنیا کے مصیبت خانے میں نہ لے جا، طبع اور

ہوائے نفس کی قید میں نہ ڈال۔ فرمان صادر ہوا: ہمارا حکم ایسا ہی ہے کہ آپ دنیا میں قیامِ شریعت کے لیے واپس جائیں، تاکہ جو کچھ ہم نے آپ کو عالمِ ملکوت میں مرحمت کیا ہے، وہاں دنیا میں مرحمت کریں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو جب بھی آپؐ کا دل مشتاقِ معراج ہوتا تو فرماتے: اَرِحنَا یَابِلَال بالصّلوۃ ''اے بلال ہمیں نماز سے راحت پہنچا''۔(کشف المحجوب، نماز)

گویا آپؐ کا دنیا میں آنا قیامِ شریعت یا معروف اصطلاح میں اقامتِ دین ہے۔ اور آپؐ نے اپنا یہ مشن مکمل کیا اور پھر اسے قیامت تک جاری رکھنے کے لیے اُمت کی ذمہ داری بنادیا۔ اس عظیم راستے پر چلنے کے لیے دنیا میں رہتے ہوئے بھی حرص و طمع اور غیر اللہ سے امیدیں لگانا اور نت نئی آرزوؤں کے بخار میں مبتلا رہنا درست نہیں ہے۔ سید ہجویریؒ ایک درویش کی بات بتاتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک درویش سے کہا مانگو جو مانگتے ہو۔ درویش نے کہا: میں اپنے غلاموں سے کچھ نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے کہا: یہ کیا بات ہوئی؟ درویش نے کہا: میرے دو غلام ہیں: ایک حرص اور دوسرا آرزو، جب کہ یہ دونوں تمھارے آقا۔ میں نے جنھیں اپنا غلام بنا رکھا ہے ان سے مانگنا کیسا؟

یہ بات کہنے اور لکھنے میں جس قدر آسان ہے، عمل میں اسی قدر مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کی فراوانی کے بجائے فقر کو پسند فرمایا۔ آپؐ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً، وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ ، اے اللہ مجھے مسکینی میں زندہ رکھ، مسکینی میں وفات دے، اور قیامت کے روز مسکینوں کے گروہ میں اٹھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میرے دوستو میرے قریب آجاؤ۔ فرشتے پوچھیں گے یا اللہ! آپ کے دوست کون ہیں؟ اللہ فرمائے گا: فقرا اور مساکین''۔(کشف المحجوب، فقر)

● **ایمان و آزمایش اور ملامت:** خیال رہے کہ یہ فقر میلے کچیلے کپڑے پہننے کا نام نہیں ہے، بلکہ غیر اللہ سے آرزوئیں اور امیدیں توڑ کر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا، اور پھر سادہ زندگی کو

اختیار کرتے ہوئے اسراف و تبذیر سے بچنے کا نام فقر ہے۔ سید صاحب کی تحریروں میں یہ بات بالکل واضح اور نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ ایمان، محبت، عبادت اور اقامتِ دین کے راستے پر چلنا یقیناً مشکل ترین عمل ہے۔ اس راستے پر مسافر کو ذہنی، بدنی اور مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مشکل مرحلوں میں سب سے مشکل مرحلہ مختلف قسم کے الزامات اور تہمتوں کا سامنا کرنا ہے۔

شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ علیہ نے اسی حال کو ملامت کا نام دیا ہے، اور فرقہ ملامتیہ کی غیر شرعی اور غیر انسانی حرکات کی مذمت فرمائی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں: ''مردانِ خدا سارے جہان میں مخلوق کی ملامت سے مخصوص ہیں۔ بالخصوص اس اُمّت کے بزرگ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مردانِ خدا کے پیشوا و امام اور عاشقانِ الٰہی کے پیش رو تھے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر برہانِ حق (نبوت) ظاہر نہ ہوئی تھی اور وحی الٰہی کا نزول نہ ہوا تھا، آپ تمام لوگوں کے نزدیک نیک نام اور بزرگ تھے۔ لیکن جب خُدا نے آپ کو محبُوبیت (رسالت) کے خلعت سے مزیّن کیا تو لوگوں نے زبانِ ملامت دراز کی۔ ایک جماعت نے کہا: وہ کاہن (نجومی) ہیں، دوسری نے شاعر، تیسری نے دیوانہ اور چوتھی نے جھوٹا قرار دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف میں فرمایا:

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔ المائدہ ۵:۵۴)۔ خدا کا دستور یوں ہی چلا آتا ہے کہ جو اس کا حال بیان کرتا ہے، وہ ساری دنیا کی ملامت کا ہدف بن جاتا ہے''۔ (کشف المحجوب، ملامت، باب ۶)

مسئلہ ملامت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں: ایمان و آزمایش کے عمل کو مسلسل جاری رکھنے کے لیے اللہ رب العزت نے انسانوں کے اندر ملامت کرنے والا نفس رکھ دیا ہے، تاکہ وہ انھیں ان کے افعال پر ملامت کرتا رہے۔ اگر ان سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو وہ اس لغزش پر اپنے آپ کو ملامت کرتے، اور اگر وہ کوئی نیکی کرتے ہیں تو اس میں کمی رہ جانے پر اپنی ذات کو ہدفِ ملامت بناتے ہیں۔ یہ خدا کی راہ میں ایک قوی اصل ہے، کیونکہ کوئی بلا اور بدنصیبی اس سے سخت تر نہیں، کہ ایک شخص اپنی خوبیوں پر غرور کرنے لگے۔ (کشف المحجوب،

ملامت، باب ۶)

سید علی الہجویری رحمہ اللہ علیہ کی ساری باتیں دیدہ زیب، چمن زار کی مانند ہیں۔ گھومتے رہو، سیر کرتے رہو، نہ آنکھیں تھکتی ہیں اور نہ پاؤں دُکھتے ہیں، اور دل کا حال یہ ہے کہ مزید اور مزید کی تمنا کیے جا رہا ہے

کیسے عظیم لوگ تھے جنھوں نے پورے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کی، اور ساری زندگی اسی راہ میں کھپا دی۔ دنیا میں رہے لیکن دنیا والوں سے کچھ نہ چاہا، بلکہ ان کے لیے مادی و روحانی فیض عام کرتے رہے۔ یہی سبب ہے کہ صدیاں گزر گئیں لیکن وہ نہیں گزرے۔ خلقِ خدا کے دلوں میں ان کی عقیدت و احترام اور زبانوں پر محبت کے تذکرے ہیں لیکن وہ لوگ جنھوں نے شریعت و طریقت کو ریا کاری اور دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے، انھیں وقتی آسایش اور مصنوعی احترام تو مل جاتا ہے، لیکن نہ انھیں خلقِ خدا کی سچی محبت نصیب ہوتی ہے اور نہ ان کے چشمۂ روحانی سے ہدایت کا پانی جاری ہوتا ہے۔

● **تصوف کے جھوٹے مدعی**: مرشدِ حق سید ہجویری رحمہ اللہ علیہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''اس دور میں یہ علمِ طریقت و تصوف درحقیقت کہنہ و فرسودہ ہو چکا ہے، بالخصوص ہمارے ملک میں کہ تمام لوگ ہوا و ہوس میں گرفتار ہیں اور رضائے الٰہی کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ زمانے کے عالموں اور وقت کے مدعیوں کے لیے اس طریقت سے اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس شے کے حصول کی خاطر ہمت پیدا کرو کہ برگزیدگان درگاہِ خداوندی کے سوا جملہ اہلِ وقت کا ہاتھ اس کے حاصل کرنے سے کوتاہ ہے اور سب اہلِ ارادت کی مُراد اس سے کٹ چکی ہے۔ خُدا کے چند برگزیدہ بندوں کے سوا تمام خاص و عام نے حقیقت کو ترک کر کے صرف اس کی عبادت کو کافی سمجھ لیا ہے اور دل و جان سے اس کے حجاب کے خریدار بن گئے ہیں۔ کام تحقیق سے خارج ہو کر تقلید میں پڑ گیا ہے۔ تحقیقِ حق نے ان سے چہرہ چھپا لیا ہے۔ عوام اس امر پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہم حق شناس ہیں۔ خواص اس پر شاد ہیں کہ دل میں اس کی تمنا، قلب میں احساس اور سینے میں اس (طریقت) کی جانب ذوق و شوق رکھتے ہیں۔ وہ بطورِ شغل کہتے ہیں کہ یہ دیدار الٰہی کا شوق اور عشق کا سوز ہے۔ تصوف کے جھوٹے مدّعی دعویٰ کے باوصف حقائق معلوم

کرنے سے قاصر رہ گئے ہیں اور مرید مجاہدے سے دست کش ہو کر ظنِ فاسد کو مشاہدہ کہنے لگے۔ اس سے قبل بھی میں نے طریقت و تصوف کے موضوع پر متعدد کتابیں تالیف کی تھیں، جو سب کی سب ضائع ہو گئیں۔ تصوف کے جھوٹے مدعیوں نے ان میں سے بعض نکات لوگوں کو فریب دینے کی غرض سے چن لیے اور باقی کو دھو کر تلف کر دیا، کیونکہ جس کے دل پر مُہر ہو، اس کے نزدیک حسد و انکار کا سرمایہ بھی نعمتِ الٰہی ہوتا ہے۔ ایک اور گروہ نے ان کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ دوسرے گروہ نے ان حصوں کا مطالعہ کیا، مگر مطلب سے بے بہرہ رہے اور محض عبارت پر اکتفا کیا تاکہ اسے تحریر میں لا کر رٹ لیں، اور کہیں کہ ہم تصوف اور معرفت کے علم کی تشریح کر رہے ہیں''۔ (کشف المحجوب، دیباچہ)

عصرِ حاضر کے مردِ حق علامہ اقبال نے بھی اسی کرب کا اظہار اپنے انداز میں کیا تھا:

صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال ملا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

(ضربِ کلیم)

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، شعبہ عربی میں استاذ ہیں۔

ترجمان القرآن کے انتظامی دفتر کی تبدیلی

ترجمان القرآن کا انتظامی دفتر تبدیل ہو گیا ہے۔ نیا پتا درج ذیل ہے:

6۔ صابر سٹریٹ، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور-54600

فون: 37587916, 37502048, 37535660, 37065765

موبائل: 0307-4112700

قارئین اور ایجنسی ہولڈر نوٹ فرما لیں ـــــ ادارہ